© rasailojaraid.com

پاکستانی زبانوں میں لسانی ربط

منظور علی ویسریو *

اللہ تعالیٰ نے اپنی وسیع کائنات میں بے شمار مخلوقات پیدا کی ہیں، جن میں انسان کو ہی صرف اشرف المخلوقات ہونے کا رتبہ حاصل ہے اور جن اوصاف کی بناء پر اسے دوسری مخلوقات پر فوقیت اور شرف حاصل ہے، ان میں سرفہرست اس کا صاحبِ زبان اور طاقتِ گویائی کا حامل ہو نا ہے۔ چنانچہ زبان انسان کی سب سے کارگر معاشرتی تخلیق ہے جو صدیوں اور قرنوں پر محیط انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں ظہور پاتی، پنپتی، پھیلتی اور پھولتی ہے یا اس کے بر خلاف انہدام کی ڈھلوان پر چلتی ہوئی آہستہ آہستہ معدوم ہو جاتی ہے۔ گویا کسی زبان کی تاریخ دراصل معاشرے کے خلق ونمو کی داستان ہی سے عبارت ہوا کرتی ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک انسان زبان ہی کی وجہ سے ایک دوسرے کی بات سمجھتے چلے آرہے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک روئے زمین پر جہاں بھی انسان ہوں گے چلتا رہے گا۔ زبان قریب لانے کا ایک ذریعہ ہے۔

پاکستان ایک ایسا خطۂ ارض ہے جس میں بہت سے عقائد اور نسل کے لوگ آباد ہیں جو مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ اس طرح پاکستان کو بھی دنیا کے دیگر ممالک کی طرح کثیر اللسان خطہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بقول حیدرسندھی ،جو نیشنل انسٹیٹیوٹ آف پاکستان سٹڈیز قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد کے سربراہ رہ چکے ہیں:

> ... ان رائج زبانوں کی تعداد تیس اور چالیس کے درمیان ہوگی اور سب کی سب مادری زبانیں ہیں۔ اتنی ساری تہذیبوں اور زبانوں کا کسی ایک ملک میں یکجا ہونا خوش نصیبی کی بات ہے۔ یہاں آباد تمام لوگ اپنی تہذیبوں، ان کے بطن سے جنم لینے والی ثقافتوں اور ان کی کوکھ سے

---

* لیکچرر، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان سٹڈیز، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> نشوونما پانے والی زبانوں پر نازاں ہیں۔ اتنی ساری تہذیبوں کے وارث اور ثقافتوں کے مالک ہونے اور اتنی تعداد میں بولی جانے والی زبانوں کے عطیہ خداوندی پر کوئی ملک بھلا نازاں کیوں نہ ہو چنانچہ جب بھی دنیا اور جہاں کہیں زبانوں کی گروہ بندی یا اصل نسل پر تحقیق ہو گی تو لا محالہ پاکستان کا ذکر آئے گا۔[۱]

پاکستان کی ۱۹۵۱ء اور ۱۹۶۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں ۱۲ زبانیں بولی جاتی ہیں۔[۲]

ڈاکٹر غلام علی الاناء کے مطابق: ''ایک اندازے کے مطابق پاکستان کے جداجدا خطوں میں جو زبانیں اور ان کے لہجے بولے جاتے ہیں، ان کی کل تعداد تقریباً ۷۵ تک ہو گی''۔[۳]

موجودہ تحقیق کے مطابق پاکستان میں تیس ۳۰ زبانیں اور چالیس ۴۰ کے قریب مزید لہجے ہیں۔[۴]

سروے آف پاکستان نے جو زبانوں کا نقشہ تیار کیا ہے اس میں اردو کے علاوہ بارہ زبانیں تسلیم کی گئی ہیں — بلوچی، براہوی، سندھی، پنجابی، پشتو، چترالی (کھوار)، کافری، کوہستانی، شنا، بلتی، کشمیری۔ اس میں ہندکو، جٹکی، سرائیکی اور پوٹھوہاری کو پنجابی کی ذیلی شاخ سمجھا گیا ہے اور گوجری، پہاڑی اور مکرانی کو شامل نہیں کیا گیا۔ ریڈیو پاکستان جن زبانوں میں پروگرام نشر کرتا ہے ان میں پنجابی کے ساتھ ساتھ سرائیکی، پوٹھوہاری، گوجری، پہاڑی اور ہندکو بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ سندھی، پشتو، بلوچی، براہوی، گجراتی، کشمیری، شنا، بروشسکی، بلتی وغیرہ میں بھی پروگرام نشر ہوتے ہیں گویا نشریاتی طور پر تسلیم شدہ پاکستانی زبانوں کی تعداد اٹھارہ کے قریب ہے۔[۵]

پاکستانی زبانوں کا علاقہ وار جائزہ لیں تو ہمیں شمالی علاقہ جات میں نو(۹) زبانیں واضح طور پر نظر آتی ہیں جن کے بولنے والے معتدبہ تعداد میں موجود ہیں یعنی بروشسکی، شنا، بلتی، چترالی (کھوار)، کافری، کوہستانی، پشتو (یوسفزئی)، ہندکو اور پہاڑی۔ اس طرح کشمیر میں پہاڑی، ہندکو، کشمیری، گوجری اور پوٹھوہاری سمیت پانچ منفرد زبانیں موجود ہیں۔ صوبہ سرحد میں پشتو کی دونوں قسموں سمیت کوہستانی، ہندکو، سرائیکی، ڈیرہ(اوال) قدرے بلوچی اور فارسی بولنے والے ملتے ہیں۔ گویا یہاں بنیادی طور پر سات زبانیں بولنے والے آباد ہیں جو پشتو کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں ہیں۔ بلوچستان میں بلوچی کے ساتھ ساتھ پشتو، سرائیکی، پنجابی، فارسی، براہوی، سندھی، پہاڑی، جٹکی اور کیچی مکرانی سمیت دس کے قریب زبانیں ہیں۔ بلوچی کے مقابلے میں دیگر زبانیں بولنے والوں کی تعداد اور علاقہ زیادہ ہے۔[۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلوچستان کے ایک دانشور میر عبدالباقی بلوچ (مرحوم) نے مضمون ''بلوچستان میں احساس محرومی کے محرکات'' مطبوعہ روزنامہ ''جنگ'' کوئٹہ،۱۶؍اگست۱۹۸۲ء میں بلوچستان میں زبانوں کی وسعت کے بارے میں یہ اندازہ بیان کیا ہے۔

بلوچی ....۳۳٫۵۹ فی صد　　پشتو..............۳۸٫۴۰فی صد

براہوی...........۱۵٫۸۰فی صد　　سندھی..............۱۲٫۲۲فی صد

جٹکی...........۷٫۲۱فی صد　　اُردو..............۲٫۷۰فی صد

دیگر...........۱٫۴۴فی صد

یہی صورت حال پنجابی کی ہے۔ معیاری ادبی پنجابی جو دراصل لاہوری زبان ہے صرف پنجاب کے پانچویں حصے کی زبان ہے۔ باقی علاقوں میں پنجابی کے علاوہ گیارہ زبانیں مثلاً ہندکو، پوٹھوہاری، گوجری، چھاچھی، دھنی، لہندا (سرگودھی)، ڈیرہ وال، جھنگوی، جٹکی، ملتانی، ریاستی وغیرہ بولی جاتی ہیں۔ اگرچہ چھاچھی، دھنی، لہندا، ڈیرہ وال، ملتانی کو سرائیکی بھی تسلیم کیا جائے اور جھنگوی کو جٹکی کا حصہ بھی قرار دیا جائے تو بھی پنجاب میں پنجابی، ہندکو، پوٹھوہاری، گوجری، سرائیکی، جٹکی، ریاستی سمیت سات منفرد زبانیں بولی جاتی ہیں۔ سندھ میں بڑی تقسیم کے تحت سندھی، پنجابی، سرائیکی، بلوچی، پہاڑی، تھرپارکری، گجراتی اور پشتو جیسی آٹھ زبانیں بولی جاتی ہیں۔[۷]

ان حقائق سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ پاکستان میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان میں سے کئی زبانیں ایسی ہیں جو صرف اپنے علاقے تک محدود ہیں اور ان میں ابھی تک بھرپور تحریری یا ادبی سرمایہ موجود نہیں،صرف بولی جاتی ہیں۔ ایسی زبانوں میں اکثر کا تعلق شمالی علاقہ جات سے ہے۔ ان زبانوں کے علاوہ پاکستان کی بڑی اور زیادہ بولی جانے والی زبانیں بھی ہیں جو نہ صرف پورے ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں بلکہ ان کا صدیوں پر محیط تحریری ادبی سرمایہ بھی موجود ہے۔ یہ صدیوں پرانا ادبی سرمایہ نہ صرف قدیم دور پر مبنی ہے بلکہ حال اور مستقبل کے جدید تقاضوں کو مدنظر رکھ کر آگے کی طرف بھی گامزن ہے اور ان میں بڑی حد تک لسانی ہم آہنگی ملتی ہے۔ اس لسانی ہم آہنگی کے مختلف اسباب ہیں جن کو مختصراً ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تہذیبی، تاریخی اور جغرافیائی تعلقات

آج جسے پاکستان کہا جا تا ہے اور جو نصف صدی سے کچھ زیادہ عرصے کا سفر طے کر چکا ہے۔ اصل میں مختلف قوموں، تہذیبوں اور ثقافتوں کا گہوارہ ہے۔ یہ مختلف قومیں، تہذیبیں اور ثقافتیں ایک، دو یا پانچ صدیوں میں ارتقائی مراحل سے دوچار نہیں ہوئیں بلکہ یہ تو ہزاروں سالوں کا طویل سفر طے کرتی ہوئی اپنا وجود قائم کیے ہوئے اپنی منزل کی طرف گامزن تھیں مگر اب یہ ایک خوبصورت اور رنگین گلدستے کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ یہ خوبصورت اور رنگین گلدستہ دنیا کے نقشے پر اپنی خوبصورتی اور مختلف رنگوں کے ساتھ پاکستان کے نام سے نمایاں ہے۔

ماضی کی مختلف قومیں، تہذیبیں اور ثقافتیں جو اپنی منفرد خصوصیت کی وجہ سے جدا جدا ناموں سے موسوم تھیں، اب یہ ساری ایک ہی قوم اور ایک ہی تہذیب کے نام سے جانی جاتی ہیں جسے پاکستانی تہذیب کہا جا تا ہے۔ بقول سبطِ حسن:

> پاکستان ۱۴راگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا پاکستانی تہذیب کا ظہور بھی اسی دن ہوا اور کیا اس خطے کے باشندے جو اب پاکستان کہلا تا ہے،۱۴راگست ۱۹۴۷ سے پیشتر تہذیب سے نا آشنا تھے۔ ظاہر ہے کہ ہر ذی ہوش ان سوالوں کا جواب نفی میں دے گا۔ درحقیقت پاکستان کی تہذیب اتنی ہی پرانی ہے جتنے یہاں کے باشندے۔ یوں بھی وادیٔ سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کی تہذیب کا شمار دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے۔[8]

ایسی قدیم تہذیب کے گلدستے میں دنیا کی قدیم اور اہم زبانیں شامل ہیں۔ ان کے درمیان جغرافیائی، سیاسی، تجارتی، تہذیبی اور لسانی تعلقات صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ بقول ڈاکٹر انعام الحق کوثر:

> اُردو اور ہماری پاکستانی زبانوں جیسے پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہ ایک ہی قسم کے تاریخی، تہذیبی اور جغرافیائی ماحول میں بڑھی اور پھلی پھولی ہیں اور صدیوں ایک دوسرے سے تاثر قبول کرتی رہی ہیں۔ نیز یہ کہ ان پر اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی ممالک کی زبانوں کے اثرات قریب قریب یکساں ہی پڑے ہیں۔[9]

جغرافیائی طور پر دیکھیں تو وادیٔ سندھ کی تہذیب کی حدود کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی تھیں اور اسے کب عروج حاصل تھا، اس سلسلے میں سبطِ حسن لکھتے ہیں کہ:

> موہن جو دڑو۔ ہڑپہ کی تہذیب (جس کو عرفِ عام میں وادیٔ سندھ کی تہذیب کہتے ہیں) پاکستان میں کانسے کے دور کا نقطۂ عروج تھی۔ یہ تہذیب کوہِ ہمالیہ کے دامن سے کاٹھیاواڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک اور کوئٹہ سے راجپوتانہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دنیا کی سب سے بڑی تہذیبی وحدت تھی کیونکہ اس کا دائرہ ہم عصر مصری سومیری اور ایرانی تہذیبوں سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ یہ تہذیب تقریباً ایک ہزار برس تک (۲۵۰۰-۱۵۰۰ق م) بڑی آن بان سے زندہ رہی۔ اس کے اب تک ساٹھ (۶۰) سے زیادہ آثار دریافت ہو چکے ہیں۔ ان میں دو بڑے شہر، موئن جو دڑو اور ہڑپہ ہیں اور بقیہ چھوٹی چھوٹی بستیاں جو پورے سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ موئن جو دڑو دریائے سندھ کے کنارے آباد تھا اور ہڑپہ دریائے راوی کے کنارے۔ قیاس کہتا ہے کہ یہ دونوں شہر وادئ سندھ کے ''دارالسلطنت'' تھے۔ موئن جو دڑو تجارتی بندرگاہ بھی تھی جس کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔[۱۰]

موئن جو دڑو اور ہڑپہ کی خوشحالی، تجارت اور دیگر ممالک سے تعلقات کے متعلق سبطِ حسن بیان کرتے ہیں کہ:

موئن جو دڑو اور ہڑپہ کے حوالے سے وادئ سندھ کی شہری زندگی کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہ دونوں شہر دراصل تجارتی مرکز تھے۔ ملک کی فاضل خام پیداوار اور مصنوعات انہیں مقامات سے دساور کو بھیجی جاتی تھیں۔ ہڑپہ سے تجارتی قافلے خشکی کی راہ سے شمالی ایران تک جاتے تھے اور تری کے راستے سے موئن جو دڑو تک۔ موئن جو دڑو ہڑپہ سے بڑا مرکز تھا کیونکہ یہاں سے تجارتی کشتیاں بحیرِ عرب کو عبور کر کے جنوبی ایران اور عراق کی بندرگاہوں تک جاتی تھیں۔[۱۱]

اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر حیدر سندھی یوں رقمطراز ہیں:

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آریاؤں کی وادئ سندھ میں آمد ۲۳۰۰ق م تا سن ۱۵۰۰ق م ہے۔ ان دنوں وادئ سندھ میں نہ صرف دریائے سندھ کے دونوں کناروں کے وسیع علاقوں میں بڑی انسانی آبادی موجود تھی بلکہ وہ لوگ اس قدر مہذب و متمدن تھے کہ موہن جو دڑو، ہڑپہ، حسن ڈھیری، مہر گڑھ، کوٹ ڈجی اور دیگر کئی مقامات پر پختہ شہری زندگی گزار رہے تھے اور شہری زندگی کے ان مراکز کا بیرونی دنیا سے تجارتی، کاروباری، ثقافتی اور سماجی تعلق بھی قائم تھا۔[۱۲]

جیسا کہ اس بات کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ موجودہ پاکستان ماضی میں وادئ سندھ کے نام سے معروف تھا اور اس کی حدود ارض میں سندھ، بلوچستان، پنجاب اور کشمیر تک کا علاقہ شامل تھا۔ اس حوالے سے میمن عبدالمجید سندھی یوں بیان کرتے ہیں:

قدیم زمانے سے ایک طویل عرصے تک سندھ، پنجاب اور کشمیر حکومتِ سندھ میں شامل رہے۔ آریوں کی آمد سے قبل بھی ان علاقوں کے آپس میں لسانی، تہذیبی، تجارتی اور مذہبی تعلقات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم تھے۔ جب آریہ آئے تو پہلے انہیں علاقوں میں آباد ہوئے۔ پھر نقل مکانی کرکے دوسرے علاقوں میں جا بسے۔ یہ سلسلہ طویل عرصے تک قائم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی قوموں، ذاتوں اور قبیلوں کے نام سندھ اور پنجاب میں مشترک ہیں۔ عرب مسلمانوں کی آمد سے قبل وادیٔ سندھ میں رائے خاندان اور برہمن خانوادے کی حکومت رہی۔ سندھ کا قدیم شہر اروڑ (روہڑی کے قریب) حکومت کا پایہ تخت تھا اور دیبل سے لے کر کشمیر تک وادیٔ سندھ کے علاقے حکومتِ سندھ ہی کی حدود میں شامل تھے۔[۱۳]

سید سلیمان ندوی اس ضمن میں یوں رقم طراز ہیں: ''ابن خرداذ بہ نے سندھ کے تخت میں جن شہروں کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب بلوچستان کے بعد سے لے کر گجرات تک سب کو سندھ سمجھتے تھے''۔[۱۴]

وہ اس سلسلے میں مزید بیان کرتے ہیں کہ: ''سنہ۹۳ ھ میں محمد بن قاسم سندھ پہنچا اور تین برس کے عرصے میں چھوٹے کشمیر کی سرحد ملتان سے (عرب پنجاب کو چھوٹا کشمیر کہتے تھے) لے کر کچھ تک اور ادھر مالوہ کی سرحد تک قبضہ کرلیا اور پورے سندھ میں اس نے نہایت عدل و انصاف اور امن کی سلطنت قائم کردی''۔[۱۵]

اسی بات کو ڈاکٹر غلام علی الانا، پروفیسر بھیرومل کا حوالہ دے کر یوں بیان کرتے ہیں کہ:

There have been contacts between the people of Sindh, Punjab and Kashmir, for the last thousands of years. The Southern part of the Punjab and Kashmir has remained under the dominion of Sindh, therefore the contacts between languages also continued. There is a lot of similarity between the languages spoken in these regions.[۱۶]

سندھ کی حدود کے متعلق محمد بشیر احمد ظامی رقمطراز ہیں:

سندھ کے ہندو مہاراجگان کے عہد میں سلطنتِ سندھ کی حدود ایک طرف کشمیر اور قنوج تک اور دوسری طرف کوہِ سلیمان، مکران، دیبل، قندھار اور سیستان تک وسیع تھیں۔ سنہ۹۲ ھ میں محمد بن قاسم کے آنے سے پیشتر بھی ملتان اور اوچ سندھ میں شامل تھے اور ہندو حکومت کے صدرمقام تھے۔ محمد بن قاسم کے بعد ہندوراج دوبارہ پھیل گیا۔ سلطان محمود غزنوی کی فتح کے بعد ملتان اور سندھ پر غزنوی اور قرامطی خاندان حکمران رہے۔ ۸۴۴ میں سندھ مغلیہ قلمرو میں شامل ہوگیا''۔[۱۷]

متذکرہ حوالوں سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ مذکورہ زبانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق قیام پاکستان کے بعد قائم نہیں ہوا بلکہ یہ تعلق تو صدیوں پر مبنی ہے۔ اس علاقائی اتحاد اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میل جول سے ان زبانوں کے درمیان اتحاد ، اشتراک قائم تھا۔ نیز اسلام سے قبل اور بعد میں وادئ سندھ کی اقوام کے باہمی میل جول، ربط و اتحاد کا سلسلہ وسیع رہا ہے جس کی وجہ سے ان زبانوں میں تہذیبی و ثقافتی عناصر مشترک پائے جاتے ہیں۔

تجارتی تعلقات

زبانوں کے درمیان ہم آہنگی یا اشتراک کی فضا قائم کرنے میں تجارت بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تجارت سے نہ صرف دو فریقوں کے درمیان مال کی خرید و فروخت ہوتی ہے بلکہ خطوں اور قوموں کے درمیان اچھے اور خوشگوار تعلقات کی فضا بھی قائم ہوتی ہے اور یہی اچھے اور خوشگوار تعلقات لوگوں کے درمیان عزت و احترام، محبت و اخوت جیسی اخلاقی اقدار کو فروغ دیتے ہیں جس سے نہ صرف ان دوخطوں کے معاشی حالات فروغ پاتے ہیں بلکہ ان کے درمیان تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی تعلقات بھی ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اور نمایاں اثرات ان کی زبانوں پر پڑتے ہیں۔ اس ضمن میں میمن عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں:

> تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کا مال بھی سندھ کی سمندری بندر گاہوں کے ذریعے درآمد اور برآمد ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سندھ کے تاجر اور پنجاب کے سوداگر، پنجاب اور سندھ میں آتے جاتے رہتے تھے بلکہ ایک دوسرے کے علاقوں میں آباد بھی ہوتے رہے۔ تاریخ کے اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ دور میں برصغیر کے دیگر علاقوں کا مال بھی بذریعہ لاہور، سندھ کی سمندری بندر گاہوں پر آتا تھا۔ تجارت ہی کی غرض سے کچھ سندھ کے تاجر لاہور میں جا کر بس گئے اور وہیں متوطن ہو گئے۔[۱۸]

اس سلسلے میں میمن عبدالمجید مزید لکھتے ہیں کہ:

> قدیم زمانے میں یونانیوں نے سندھ کی قدیم سمندری بندرگاہ ''باربریک'' کا نام لیا ہے جو ''بھنبور'' ہی کی یونانی صورت ہے۔ یہ بندرگاہ بذریعہ دریائے سندھ، پنجاب اور سندھ کی مختلف دریائی بندرگاہوں سے ملی ہوئی تھی۔ عرب سیاحوں نے سندھ کی بندرگاہ دیبل کا نام بھی لیا ہے۔ محمد بن قاسم نے اسی بندر گاہ سے سندھ کی فتوحات کا آغاز کیا تھا۔ ''دیبل'' یا تو بھنبور ہی کا دوسرا نام تھا یا پھر بھنبور کے قریب دوسری بندرگاہ ہو گی جو بھنبور کے زوال پذیر ہونے کی وجہ سے ترقی کر کے بین الاقوامی بندرگاہ کی صورت اختیار کر گئی۔ عرب سیاحوں اور تاجروں نے دیبل کا ذکر کیا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے عرب سیاح ابن خوردازبہ جدۃ کی تعریف میں کہتا ہے کہ یہاں سندھ، ہندوستان، زنجبار، حبشہ اور فارس کی چیزیں ملتی ہیں۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بصرہ سے ہندوستان تک کے رستے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ پہلے سندھ کی بندرگاہ ''دیبل'' ہے۔ اس کے بعد ''اوتکین'' بندرگاہ آتی ہے جس سے ہندوستان کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد جہاز جنوبی ہند کی بندرگاہ کی طرف جاتے ہیں اور ''بلمین'' کی بندرگاہ سے ہوتے ہوئے بعض سراندیپ (سری لنکا) اور جاوا کی طرف کھل جانے اور بعض ''بلمین'' ہی سے براہِ راست چلے جاتے تھے۔ اسی راستے سے عرب تاجر سندھ کی بندرگاہ ''دیبل'' سے گزرتے ہوئے جنوبی ہند، سراندیپ (سری لنکا) اور جاوا جایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ سندھی تاجر ایک طرف پنجاب اور کشمیر تک بھی جاتے تھے، دوسری طرف جنوبی ہند کی بندرگاہوں اور سراندیپ اور جاوا جاتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ میں سرائیکی زبان کی ایک کہاوت مشہور ہے:

جو جاوا جاوے اوہ مول نہ ول آوے

جو آوے وہ بال بچہ ڈھاوے

یعنی سندھ کا تاجر ''جاوا'' جاتا ہے تو اتنا خوش حال ہو جاتا ہے کہ ''جاوا'' ہی میں سکونت اختیار کر لیتا ہے۔ اگر واپس آجاتا ہے تو بہت ہی خوشحال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وادیٔ سندھ کی مختلف زبانوں کی ایک طرف تو آپس میں گہری مماثلت ہے دوسری طرف دکن اور جنوبی ہند کی زبانوں کے ساتھ بھی لسانی رشتہ موجود ہے۔[۱۹]

سید سلیمان ندوی عرب تاجروں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

عرب تاجر ہزاروں برس پہلے سے ہندوستان کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں کے بیوپار اور پیداوار کو مصر اور شام کے ذریعے یورپ تک پہنچاتے تھے اور وہاں کے سامان کو ہندوستان، جزائرِ ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے۔ عربوں کا راستہ یہ تھا کہ وہ مصر و شام کے شہروں سے چل کر خشکی خشکی بحر احمر (ریڈسی) کے کنارے کنارے حجاز کو طے کر کے یمن تک پہنچتے تھے اور وہاں سے بادبانی کشتیوں پر بیٹھ کر کچھ تو افریقہ اور حبشہ کو چلے جاتے تھے اور کچھ وہیں سے سمندر کے کنارے کنارے حضر موت، عمان، بحرین اور عراق کے کناروں کو طے کر کے خلیج فارس کے ایرانی ساحلوں سے گزر کر یا تو بلوچستان کی بندرگاہ تیز میں اوند پڑتے تھے یا پھر آگے بڑھ کر سندھ کی بندرگاہ ''دیبل'' (کراچی) میں چلے آتے تھے اور پھر اور آگے بڑھ کر گجرات اور کاٹھیاواڑ کی بندرگاہ تھانہ (بمبئی) کھمبایت چلے جاتے تھے، پھر آگے بڑھتے تھے اور سمندر سمندر کالی کٹ اور راس کماری پہنچتے تھے اور پھر کبھی مدراس کے کسی کنارے پر ٹھہرتے تھے اور کبھی سراندیپ اندمان ہوکر پھر سیدھے مدراس کی مختلف بندرگاہوں پر چکر لگاتے ہوئے خلیج بنگال میں داخل ہوجاتے تھے اور بنگال کی ایک دو بندرگاہوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھتے ہوئے برہما اور سیام ہوکر چین چلے جاتے تھے اور پھر اسی راستہ سے لوٹ آتے تھے۔[۲۰]

مذکورہ حوالے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سندھ کی بندرگاہ ''دیبل'' بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ یہ نہ صرف وادیٔ سندھ کے علاقوں کے درمیان تجارت کا ذریعہ تھی بلکہ ہندوستان اور عرب ممالک بھی اس بندرگاہ کے ذریعے وادیٔ سندھ اور ہندوستان کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔

اس ضمن میں مولائی شیدائی لکھتے ہیں کہ:''تیز، دیبل، منصورہ، خضدار، اروڑ، ملتان، قنوج اور قنابیل بڑے بیوپاری مرکز تھے۔ منصورہ مہران کی دوشاخوں کے درمیان ایک جزیرے پر آباد تھا۔ یہ شہر سمندری کنارے کے نزدیک ہونے کے باعث یہاں سے عراق، عمان، ایرانی نار، گجرات اور ملتان کے ساتھ مہران کے ذریعے بیوپار ہوتا تھا''۔[۲۱]

مندرجہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ دیبل ماضی میں بڑی بندرگاہ کے طور پر مشہور تھا اور اس کے ویران ہونے کے بعد نئی بندرگاہیں وجود میں آئیں جن کے ذریعے سندھ اور پنجاب کے درمیان تجارت ہوا کرتی تھی۔ اس کے متعلق میمن عبدالمجید یوں رقم طراز ہیں:''دیبل کے ویران ہونے کے بعد بندرگاہوں میں ''شاہ بندر، لاہری'' اور ''اورنگا'' وجود میں آئے۔ مغلیہ دور میں لاہری بندرگاہ کے ذریعے سندھ اور پنجاب کی تجارت ہونے لگی۔ یہ بندرگاہ ٹھٹھہ، سیوھن، بکھر اور پنجاب کی دریائی گزرگاہ سے ملی ہوئی تھی۔ شمالی ہند کا تجارتی مال پہلے لاہور آتا اور لاہور سے ''لاہری'' بندر تک پہنچتا تھا''۔[۲۲]

لسانی تعلقات

تجارتی تعلقات سے علاقوں کے درمیان تعلقات مضبوط ہوتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان میل جول بھی بڑھتا ہے اور اس کا سب سے زیادہ فائدہ وہاں کی زبانوں کو ہوتا ہے۔ وادیٔ سندھ کی زبانوں کے ساتھ بھی کچھ اس طرح ہوا ہے۔ بقول میمن عبدالمجید سندھی:

> انہی وجوہات کی بناء پر سندھی، سرائیکی، پنجابی اور وادیٔ سندھ کی دیگر زبانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا رشتہ قائم رہا۔ موجودہ دور میں بھی سندھی زبان کے دوسرے محاوروں کا شمالی علاقوں ''اباوَڑو'' کے محاورے سے (جس کو ''ابھے دی بولی'' کہتے ہیں) تھوڑا سا فرق ہوگیا ہے۔ یہ علاقہ چونکہ سرائیکی زبان کے علاقے سے ملحق ہے۔ اس لیے اس پر سرائیکی زبان کا اثر زیادہ ہے۔ اس کے بعد بہاولپور اور ملتان کے علاقے آتے ہیں لیکن بہاول پور کی زبان کو بہاولپوری اور ملتان کی زبان کو ملتانی بھی کہا جاتا ہے۔ ان علاقوں کے ساتھ ڈیرہ غازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خان کا علاقہ بھی ملتا ہے۔ وہاں کی زبان کو ڈیرہ والی بھی کہتے ہیں۔ بلوچستان میں بھی سرائیکی زبان بولی جاتی ہے لیکن سندھ کی سرائیکی، بلوچستان کی سرائیکی، جگدالی، کھیترانی اور جٹکی بہاولپور کی سرائیکی، ملتان اور ڈیرہ والی زبانوں میں محاورے کا فرق ہے، البتہ لسانی خصوصیات، الفاظ، صوتیات اور صرف ونحو کے لحاظ سے ان میں بعد نہیں ہے۔

ملتان کی سرائیکی آگے بڑھ کر پنجابی زبان سے جا ملتی ہے اور پنجابی زبان کی حدود اُردو زبان سے ملتی ہیں۔ اس تدریجی علاقائی تبدیلی کو دیکھ کر ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سرائیکی زبان وادیٔ سندھ کی وہ درمیانی کڑی ہے جو سندھی زبان کو پنجابی سے ملاتی ہے۔ لہٰذا وہ ہندکو اور کشمیری سے بھی تعلقات کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی طرح وادیٔ سندھ میں کراچی سے لیکر کشمیر تک ان زبانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے۔[۲۳]

اسی بات کو سندھی زبان کے محققین یوں بیان کرتے ہیں:

صدیوں سے سندھ، پنجاب اور کشمیر کے باسی ایک دوسرے کے ساتھ گہرے تعلقات قائم رکھتے چلے آرہے ہیں اور خود کشمیر کا حصہ پنجاب کے ساتھ بہت عرصہ سندھ کی حکومت میں شامل تھا جس کی وجہ سے سندھی کا ان زبانوں کے ساتھ گہرا ناطہ قائم ہوا۔ آج بھی اگر دیکھیں تو سندھی زبان سندھ کے شمال میں ''اباوڑو'' کی جانب سرائیکی یا ''اُبھے دی بولی'' کا نمونہ اختیار کرتی۔ بہاولپور کی طرف بھی وہی شکل اختیار کئے ہوئے ملتانی زبان سے جا کر ملی ہے اور ملتانی لاہور اور امرتسر کی طرف معمولی سے فرق سے پنجابی سے جا کر ملی ہے جس کی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرائیکی زبان درمیان میں سیڑھی کی مانند ہے جو سندھی کو پنجابی کے ساتھ جوڑتی ہے اور پنجابی زبان شمال میں کشمیری سے جا کر ملی ہے۔ اس طرح سندھ سے لے کر کشمیر تک زبانوں کی آپس میں کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے۔[۲۴]

میمن عبدالمجید سندھی مذکورہ زبانوں کے درمیان لسانی تعلق کو تاریخی تناظر میں دیکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ تاریخی حقائق کی بناء پر وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قدیم ترین دور میں جب وادیٔ سندھ میں آریوں کی آمدورفت جاری تھی، ان علاقائی زبانوں کے اشتراک میں ''داردی'' زبانوں نے اہم کردار ادا کیا۔ داردی زبانیں بولنے والے آریہ کشمیر۔ پنجاب اور بہاولپور میں رکتے ہوئے، پھر سندھ میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ موجودہ دور میں بھی اگرچہ ان تمام مقامات کی زبانیں اپنی اپنی جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں، پھر بھی تلفظ، نحوی ساخت اور الفاظ میں یکسانیت کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ کافی مماثلت رکھتی ہیں۔ صوتیات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مندرجہ ذیل صوتوں کے علاوہ تمام زبانوں میں یکسانی ہے۔ یہ صوتیے صرف سندھی اور سرائیکی زبانوں میں یکساں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ سندھی اور سرائیکی کے منفرد صوتیے یہ ہیں:

«ٻ، ڄ، ڏ، ڳ، ڱ»

یہ آوازیں نہ تو سنسکرت میں ہیں نہ کسی دوسری پراکرت میں۔ سندھی اور سرائیکی زبانوں کی یہ مشترک اور منفرد آوازیں کسی قدیم زبان کی نشاندہی کرتی ہیں جو ابتدائی دور میں وادئ سندھ کی زبان ہوگی اور اس کو مکمل اور منفرد زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ پھر اسی مشترک زبان سے وادئ سندھ کی موجودہ زبانوں سندھی، سرائیکی اور پنجابی نے جنم لیا تھا۔[۲۵]

متذکرہ حوالہ جات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ پاکستانی زبانوں کے بین تہذیبی، تمدنی، ثقافتی، تجارتی اور لسانی تعلقات زمانۂ قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ یہی بنیادی وجہ ہے جس کے باعث ان زبانوں میں کافی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ خاص طور پر اردو، پنجابی، سرائیکی، سندھی اور کشمیری میں تو لسانی اور معنوی اعتبار سے بڑی مطابقت و مشابہت ہے۔ بقول میمن عبدالمجید سندھی:

> وادئ سندھ کی علاقائی زبانوں کے متعلق قدیم اور جدید تحقیق میں چاہے کتنا ہی اختلاف ہو، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ صدیاں پہلے سندھ، پنجاب اور کشمیر کے باشندوں کے ایک دوسرے کے ساتھ بہت گہرے تعلقات تھے۔ کافی مدت تک کشمیر اور پنجاب کے علاقے سندھ کی راجدھانی میں شامل رہے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھی، مغربی، پنجابی اور کشمیری زبانیں آج بھی ایک دوسرے کے ساتھ کافی ملتی جلتی ہیں۔[۲۶]

مختصراً یہ کہ زبانوں کی بین اللسانی ہم آہنگی میں تہذیبی، ثقافتی، جغرافیائی اور تجارتی تعلقات کے ساتھ لسانی تعلقات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس کی بہترین مثال وادئ سندھ یا موجودہ پاکستانی زبانیں ہیں۔

لسانی گروہ

زبانوں کے ارتقاء کے سلسلے میں خاندانی تقسیم بہت اہم ہے۔ اس سے زبانوں کے قرب کا پتہ چلتا ہے اور ساتھ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبانوں کے مختلف طبقات میں کسی ایک زبان کا مقام کیا ہے۔ ماہرِ لسانیات نے دنیا کی تمام زبانوں کو مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر خاندان کے رشتے اور اس کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ پاکستانی زبانیں بھی دنیا کی زبانوں کے بڑے اور اہم خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ جس میں ایشیاء اور یورپ کی قدیم زبانیں شامل ہیں۔ اس سلسلے میں صوفی غلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصطفیٰ تبسم یوں رقم طراز ہیں: ''زبانوں کے ماہروں نے یورپ کی قدیم زبانوں لاطینی اور یونانی زبانوں کا رشتہ ایران اور ہندو پاکستان کی پرانی زبانوں سے قائم کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ تمام زبانیں اور ان زبانوں کی چھوٹی شاخیں سب کی سب ایک ہی نسل اور ایک خاندان سے ہیں۔''[۲۷]

پاکستانی زبانوں کے لسانی گروہ پر جو تحقیق سامنے آئی ہے اس کے مطابق سوائے براہوی زبان کے جو دراوڑی خاندان سے تعلق رکھتی ہے باقی تمام زبانیں آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اردو، پنجابی، سرائیکی اور سندھی ہندوستانی شاخ سے ہیں، بلوچی اور پشتو ایرانی شاخ سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ کشمیری کا تعلق داردک شاخ سے ہے۔ جدید تحقیق سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اردو، پنجابی، سندھی اور اسی گروہ کی دیگر زبانیں دراوڑی گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ گروہی اعتبار سے ان تمام زبانوں میں بہت حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔

قدیم زبانوں کے اثرات

دنیا کی اکثر بڑی اور زندہ زبانیں دوسری زبانوں کے اثرات لیے ہوئی ہیں اور یہ حقیقت بذات خود کوئی معیوب امر نہیں۔ کیونکہ کسی زبان کا خالص ہونا اس کی وسعت و عظمت پر دلالت نہیں۔ بلکہ کہا جا تا ہے کہ: "A pure language is a poor language"

یعنی ایک خالص زبان مفلس زبان بن جا تی ہے جو بولنے والوں کے عصری تقاضوں کے اظہار میں تنگ دستی محسوس کرتی ہے۔

وادی سندھ جو کہ اب پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے پر نمودار ہے ایک قدیم تہذیب کا گہوارہ ہے۔ اس بات کا ثبوت ہمارے اس خطے سے دریافت ہو نے والی قدیم تہذیبوں کے آثار ہیں۔ جن میں موئن جو دڑو، ہڑپہ، آمری نال تہذیب مہر گڑھ، ٹیکسلا، گندھارا وغیرہ شامل ہیں اور ان سے ملنے والی اشیاء، جن میں مہریں، سکے، پکی مٹی کی ٹھیکریاں، ظروف، مورتیاں وغیرہ شامل ہیں، پر کی گئی تحقیقات سے معلوم ہو تا ہے کہ باہر کی کئی قومیں مختلف ادوار میں، مختلف زبانوں کے ساتھ وادیٔ سندھ میں وارد ہوئیں اور یہاں متوطن ہوگئیں۔ ان میں سے کچھ تو مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگئیں اور کچھ نقل مکانی کر کے ہندوستان کے مختلف حصوں میں پھیل گئیں۔ کچھ اقوام یہاں فاتح بن کر آئیں اور کچھ عرصہ کے بعد واپس چلی گئیں۔ آبادی کے اس اتار چڑھاؤ کے علاوہ بھی وادیٔ سندھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لوگوں کے دوسری کئی قوموں اور زبانوں کے ساتھ تجارتی، ثقافتی اور مذہبی تعلقات اور روابط بھی رہے۔ باہر کی وہ زبانیں یہاں اپنی اصل صورت میں تو قائم نہ رہ سکیں البتہ اپنے اثرات اور باقیات ضرور چھوڑ گئیں ان زبانوں میں منڈاری، دراوڑی، آریائی، عربی، فارسی، ترکی ، یونانی ودیگر یورپی زبانوں اور انگریزی زبان کے اثرات شامل ہیں۔

مشترک ذخیرہ الفاظ

زبان الفاظ کا مجموعہ ہے۔ الفاظ کے بغیر زبان کا تصور غیرممکن ہے۔ الفاظ ہی وہ کڑیاں ہیں جن سے سلسلۂ زبان کی تشکیل ہوتی ہے۔ الفاظ کے وضع و اختیار میں ہر زبان کا اپنا طریقہ کار ہوتا ہے جو اسے دوسری زبانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا کی مختلف زبانیں اپنے انفرادی وجود سے متصف نہ ہوتیں۔ اس کے ساتھ ہی کم و بیش ہر زبان میں کچھ ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو دو یا زیادہ زبانوں کا مشترک سرمایہ ہوتے ہیں۔ یہ اشتراک مختلف زبانوں کے مابین کم و کیف کے اعتبار سے مختلف درجوں کا ہوتا ہے اور اس کا انحصار ان عوامل پر ہے جو لفظوں کے اشتراک و یگانگت کا باعث ہوتے ہیں۔ قریب قریب بسنے والی متحد الاصل یا متحدالماخذ زبانوں میں اسی نوع کا اشتراک بہت نمایاں ہوتا ہے۔ پاکستانی زبانوں میں بھی ہزاروں کی تعداد میں الفاظ باہم مشترک ہیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو باوجود ظاہری اختلافات کے پاکستانی زبانوں کی بیشتر اقدار مشترک ہیں۔ چونکہ یہ قریب قریب ایک ہی جیسے ماحول میں پروان چڑھی ہیں اور یکساں عوامل سے متاثر ہوتی رہی ہیں اس لیے ان میں بڑی حد تک لغوی اشتراک موجود ہے۔ اس اشتراک کی کئی تہیں ہیں جو کہ آریاؤں سے قبل دور کی ہیں۔ اس کے بعد آریوں کی آمد کے اثرات پھر اسلام کی آمد سے عربی فارسی اثرات اور آخر میں مغربی زبانوں کے اثرات موجود ہیں۔ پاکستان کی مختلف زبانیں ایک دوسرے سے اتنی دور نہیں جتنا کہ عام طور پر انھیں سمجھا جاتا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہم نے کبھی بھی ایک دوسرے کی زبان کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اگر ہم پاکستانی زبانوں کے مشترک الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان زبانوں میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ صرف چند ایک ایسے الفاظ ملیں گے جو ایک دوسرے سے تلفظ میں مختلف ہوں گے۔ باقی اردو، سندھی، پنجابی ،سرائیکی میں تو بہت ہی مماثلت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستانی زبانوں کے مشترک ذخیرہ الفاظ کے حوالے سے اب تک جو تحقیق ہوئی ہے اس میں سب سے نمایاں تحقیقی کام "ہفت زبانی لغت" کا ہے۔ جس کا سہرا مرکزی اردو بورڈ ،لاہور کو جا تا ہے۔ یہ کام ۱۹۷۴ء میں سر انجام دیا گیا اور اس میں ہمارے ملک کی سات زبانیں اردو، بلوچی، بنگالی، پشتو، پنجابی، سندھی اور کشمیری شامل ہیں۔ اس لغت میں ان تمام زبانوں کے الفاظ کی کل تعداد ۸۹۹۷ ہے۔[۲۸] اس سلسلے کا دوسرا تحقیقی کام "اٹوٹ لسانی رابطہ" کے نام سے پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی نے سر انجام دیا جو ۱۹۷۷ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس میں الفاظ کی تعداد ۳۵۶۹ اور ۲۱۰ مصادر شامل ہیں اور اس میں اردو، سندھی، پشتو، پنجابی، بلوچی اور انگریزی زبانیں شامل ہیں۔[۲۹] اسی تحقیقی کاوش کو بعد میں ۱۹۸۷ء میں "لسانی روابط" کے نام سے مقتدرہ قومی زبان نے بھی شائع کیا ہے اور اس میں سے انگریزی زبان کو خارج کردیا گیا ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بھی اہم کام سر انجام دیا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "بلوچستان میں بولی جانے والی زبانوں کا تقابلی مطالعہ" میں "ہشت لسانی گلدستہ" کو ضمیمے کے طور پر شامل کیا ہے۔ ان میں شامل الفاظ کی کل تعداد ۱۶۱۲ ہے اور اس میں اردو، براہوی، بلوچی، پشتو، سرائیکی، سندھی ،پنجابی اور جنگلی زبانیں شامل ہیں۔ الفاظ کے ساتھ ساتھ آخر میں ہفتے کے دنوں کے نام اور ایک سو تک گنتی علیحدہ شامل ہے۔[۳۰]

اس حوالے سے میمن عبدالمجید سندھی نے بھی اپنی تصنیف "لسانیات پاکستان" میں اردو، پنجابی، سرائیکی اور سندھی کے چند مشترک الفاظ کی فہرست دی ہے۔

صرفی ونحوی اشتراک

زبانوں کے تقابلی مطالعے میں ماہر لسانیات نے جملوں کی ساخت، مختلف افعالی صیغہ جات میں تصرفاتی یگانگت، جمع و واحد کے اصول اور اضافات و تراکیب کی مماثلت کو بنیاد بنایا ہے جب کہ جدید لسانیات میں صوتی تجزیے کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ لفظوں کے باہم استعمال اور ان کی لفظی و معنوی یکسانیت سے بھی دو یا دو سے زیادہ زبانوں کی قربت اور ان کے باہم اشتراک کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مگر بقول ڈاکٹر گوپی چند نارنگ "زبان کے الفاظ متروک ہو جاتے ہیں مگر اس کے صوتی اور نحوی ڈھانچے میں صدیوں کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستانی زبانوں کے قواعد کا مطالعہ کریں تو قواعد کی اصطلاحات، ان کی تعریفات، تقسیم اور درجہ بندی کے اصول بالکل یکساں ہیں۔ مثلاً صرف کو بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: اسم، فعل، حرف۔ پھر ان کی ذیلی تقسیم کی جاتی ہے۔ وحدت، جمع، تذکیر و تانیث کے قاعدے بیان کیے جاتے ہیں۔ نحو میں مبتدا، خبر، فاعل، مفعول، مضاف، مضاف الیہ، صفت موصوف، معطوف، معطوف علیہ وغیرہ مباحث کا بیان ہوتا ہے۔ ان زبانوں میں لکھی گئیں قواعد کی کتابیں کم وبیش ایک ہی انداز پر مرتب کی گئی ہیں کیوں کہ ان زبانوں کے اہل قلم حضرات نے عربی فارسی کے قواعد کو اپنے سامنے رکھ کر اپنی اپنی زبان کے قواعد لکھے ہیں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری یہ زبانیں جہاں اصل ونسل کے اعتبار سے باہم ربط وتعلق رکھتی ہیں، وہاں ارتقائی مراحل میں بھی ایک سے حالات سے گزری ہیں۔

رسم الخط میں اشتراک

رسم الخط کا مسئلہ بھی زبان سے کچھ کم اہم نہیں ہے۔ رسم الخط اور زبان میں جسم و جان کا سا تعلق ہے۔ ہر زبان کا رسم الخط اس زبان کے عین مطابق ہوتا ہے۔ کسی زبان کی مختلف خصوصیات کو اس کا اپنا رسم الخط ہی کچھ اچھی طرح ظاہر کرسکتا ہے۔ بقول آفتاب حسین کے:

> یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ رسم الخط صرف نشانات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ وہ خود ایک زندہ جسم کی حیثیت سے کسی تمدن میں نمودار ہوتا ہے اور پھر اپنی انفرادیت، شان اور خصوصی حسن کے سبب اس تہذیب کی جان بن جاتا ہے۔ جس طرح کسی شخص کا لباس اور اس کی مخصوص وضع اس کے مزاج، ذوق وسیرت کی آئینہ دار اور کسی قوم یا علاقہ کی مخصوص ثقافت کی عکاس ہوتی ہے اس طرح کسی زبان کا رسم الخط ایک قوم کے مزاج، سیرت اور بڑی حد تک اس کی تاریخ کی عکاسی کرتا ہے۔ اپنے رسم الخط ہی کے ذریعے وہ قوم اپنے ماضی، اپنی تہذیبی روایات اور دینی فکری سرچشموں سے اپنا رشتہ قائم رکھتی ہے۔ [۳۱]

قومی زبان اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں میں حروف اور صوتیوں کی خاصی تعداد باہم مشترک ہیں۔ ان حروف کی تعداد ۲۸ بنتی ہے۔ جن میں ا، ب، پ، ت، ٹ، ث، ج، چ، ح، خ، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، س، ش، ع، ف، ک، گ، ل، م، ن، و، ہ، ی شامل ہیں۔ اگرچہ ان میں سے چند ایک حروف کی تحریری صورت چند ایک زبانوں میں الگ ہیں لیکن تلفظ کے اعتبار سے سارے ایک جیسے ہیں۔

ان حروف کے علاوہ ہائیہ اصوات والے مخلوط حروف جن میں بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، کھ، گھ، شامل ہیں سوائے بلوچی اور پشتو کے باقی زبانوں میں مشترک ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک حرف ''ݨ'' جو کہ ن اور ڑ کی مخلوط آواز ہے۔ سندھی، پنجابی، سرائیکی اور پشتو میں مشترکہ طور پر مستعمل ہے مگر اس کی تحریری شکل ان زبانوں میں علیحدہ علیحدہ ہے جیسے پنجابی اور سرائیکی زبان میں اس حرف کو (نون) کے اوپر چھوٹا (ط) لگا کر لکھا جا تا ہے۔ پشتو میں ن کے نیچے دائرہ لگاتے ہیں جیسے ''ڼ'' جبکہ سندھی میں نون سے نقطہ ہٹا کر درمیان میں چھوٹا(ط) لگایا جا تا ہے۔ جیسے : «ڻ»۔

اول الذکر مشترک حروف کے علاوہ پاکستانی زبانوں کے رسم الخطوں میں چند ایک حروف مختلف ہیں جو کہ اپنی اپنی زبان کی خصوصیات اور انفرادیت کو اجاگر کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اعراب یا حرکات زبر، زیر، پیش، جزم، سکون، غنہ، الٹا جزم، الٹا پیش، تنوین وغیرہ کے استعمال میں بھی ان زبانوں میں بہت حد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ پاکستانی زبانوں کے رسم الخطوں میں بڑی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور تمام میں ایک ہی طرح کا طرز تحریر یعنی عربی، فارسی تھوڑے فرق کے ساتھ مستعمل ہے جو کہ ان تمام زبانوں میں لسانی ہم آہنگی کے سلسلے میں ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔

پاکستانی زبانوں میں لسانی ربط کے اس جائزے سے مندرجہ ذیل نقاط سامنے آتے ہیں:۔

۱- تمام پاکستانی زبانیں قدیم ہیں۔

۲- پاکستانی زبانوں میں لسانی اشتراک پیدا کرنے میں دریائے سندھ، بندرگاہوں، تجارت وغیرہ نے نمایاں کردار ادا کیا۔

۳- پاکستانی زبانیں، قدیم زبانوں منڈاری، دراوڑی، آریائی (سنسکرت) وغیرہ سے یکساں متاثر ہوئی ہیں۔

۴- پاکستانی زبانیں عربی، فارسی اور ترکی سے بھی یکساں متاثر ہوئی ہیں۔

۵- پاکستانی زبانوں پر یورپی زبانیں جن میں یونانی، پرتگیزی، اطالوی، فرانسیسی، انگریزی، بھی یکساں طور پر اثر انداز ہوئیں۔

۶- روز مرہ استعمال میں آنے والے الفاظ کا بڑا ذخیرہ پاکستانی زبانوں میں باہم مشترک ہے۔

۷- پاکستانی زبانوں کے صرفی ونحوی اصولوں میں اشتراک پایا جاتا ہے۔

۸- پاکستانی زبانوں میں ایک ہی طرز تحریر یعنی عربی فارسی مستعمل ہے۔

۹- پاکستانی زبانوں کے حروف تہجی میں ۲۸ حروف باہم مشترک ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰- پاکستانی زبانوں میں اعراب وحرکات کے استعمال میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے۔

مختصراً یہ کہ پاکستانی زبانوں میں لسانی اشتراک بہت وسیع ہے اور یہ لسانی اشتراک قومی یک جہتی کے فروغ میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے کیونکہ زبانیں ہی انسانی برادری کو قریب سے قریب تر لانے کا اہم ذریعہ ہوتی ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں ان تمام زبانوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھنا چاہئے ان کی ترقی وترویج میں مل جل کر کردار ادا کرنا چاہئے۔

حوالہ جات

۱- غلام حیدر سندھی، دیباچہ، *پاکستان کا لسانی جغرافیہ*، اسلام آباد، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان اسٹڈیز، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص xvi۔

۲- یوری گنگوفسکی، تمہید، *پاکستان کی قومیتیں*، مرزا اشفاق بیگ، مترجم، دارالاشاعت ترقی، ماسکو، ۱۹۷۶ء، ص۹۔

۳- الانا، غلام علی، *ثقافتی ورثو (سندھی) کنڈیارو*، روشنی پبلی کیشن، سندھ، ۱۹۹۹ء، ص۱۲۴۔

۴- عطش درانی، *"پاکستان کی زبانیں اور واحد لسانی تقاضا"* مشمولہ، اردو جدید تقاضے نئی جہتیں، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص۱۲۲۔

۵- ایضاً۔

۶- ایضاً، ص۱۲۳۔

۷- عطش درانی، *"پاکستان کی زبانیں اور واحد لسانی تقاضا"*، ص۱۲۴۔

۸- سبطِ حسن، *پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء*، مکتبۂ دانیال، طبع چہارم، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص۵۸۔

۹- انعام الحق کوثر، *بلوچستان میں بولی جانیوالی زبانوں کا تقابلی مطالعہ*، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص۲۶۔

۱۰- سبطِ حسن، بحوالہ سابقہ، ص۶۶۔

۱۱- ایضاً، ص۷۰۔

۱۲- سندھی، غلام حیدر، *سندھی زبان و ادب کی تاریخ*، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان ۱۹۹۹ء، ص۱۱۔

۱۳- سندھی، میمن عبدالمجید، *لسانیات پاکستان*، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۲ء، ص۱۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴۔ سید سلیمان ندوی، *عرب وہند کے تعلقات*، کریم پبلشرز، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص۲۴۔

۱۵۔ ایضاً، ص۱۰۔

16. Ghulam Ali Allana, *The Origin and Growth of Sindhi Language*, Institute of Sindhology, University of Sindh, Jamshoro, 2002, Page-226

۱۷۔ محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری، *بہاولپوری۔ملتانی زبان و ادب*، بہاولپور، گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۶۲ء، ص۱۱۰۔

۱۸۔ میمن عبدالمجید سندھی، بحوالہ سابقہ، ص۱۹۔

۱۹۔ ایضاً، ص۲۰۔

۲۰۔ سید سلیمان ندوی، بحوالہ سابقہ، ص ص ۶، ۷۔

۲۱۔ رحیم داد خان مولائی شیدائی، *تاریخ تمدن سندھ* (سندھی) طبع دوم، انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی۔ یونیورسٹی آف سندھ، جام شورو، ۱۹۹۵ء، ص۲۶۹۔

۲۲۔ میمن عبدالمجید سندھی، بحوالہ سابقہ، ص۲۰۔

۲۳۔ ایضاً، ص۲۱۔

۲۴۔ بھیرومل مہرچند آڈوانی، *سندھی بولی جی تاریخ* (سندھی) طبع ششم، جام شورو سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، ۲۰۰۴ء، ص۸۵۔

۲۵۔ میمن عبدالمجید سندھی، بحوالہ سابقہ، ص۲۲۔

۲۶۔ ایضاً۔ ص۲۹۶۔

۲۷۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (مقالہ) ''پنجابی پر فارسی کا اثر'' مشمولہ، *پاکستانی زبانوں پر فارسی کے اثرات*، پروفیسر غیور حسین سید، مرتب، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، پشاور، ۲۰۰۵ء، ص۱۴۳۔

۲۸۔ انعام الحق کوثر، بحوالہ سابقہ، ص۱۴۶۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۴۷۔

۳۰۔ ایضاً، ص۱۹۱۔

۳۱۔ آفتاب حسن، *اردو رسم الخط*، مقتدرہ قومی زبان، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص۵۔

© rasailojaraid.com